اسلام اور فنِ تعمیر

مرزا عمران حیدر ☆

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار العمل بنایا ہے۔ اس نے انسان کو بہت سے اختیارات دے کر دار الامتحان میں اتارا ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس دنیا کے امتحان میں کامیاب رہتا ہے اور کون ہے جو دنیا کی مصروفیات میں اس طرح کھو جاتا ہے کہ اپنا مقصدِ حیات ہی بھلا بیٹھتا ہے۔ انسان کو اس دنیا میں بہت سی نعمتیں حاصل ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسی ہیں جن کے بغیر زندگی کا تصور محال ہے اور کچھ نعمتیں انسان محض آسانی اور سہولت کی خاطر استعمال کرتا ہے۔ یہ تمام احسانات اللہ ربّ العالمین کی طرف سے ہیں۔ جب وہ کسی کو نعمت دیتا ہے تو اس کے صحیح استعمال کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ کسی نعمت کی قدر نہ کرنا یعنی اسے استعمال کرنے کی بجائے ضائع کر دینا یا اس کا غلط استعمال کرنا' دونوں رویے ہی اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔ ان نعمتوں کے حصول پر تمام انسانوں کا یکساں حق ہے۔ ایک اسلامی ریاست پر تمام افراد کو روزی کمانے کے برابر حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ البتہ صلاحیتوں کے اختلاف اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے تحت کسی کو ان کا وافر حصہ ملتا ہے اور کچھ ان سے محروم رہتے ہیں۔ اس فطری تقسیم کے باوصف اسلام اپنے متبعین کی ایسی تربیت کرتا ہے جس سے افراد میں ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی مسلمان دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر آخرت کو فراموش کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت گھر اور مکان ہے۔ رہائش کے لیے گھر انسان کی بنیادی ضرورت ہے جو اسے موسمی تغیرات کی سختیوں سے بچاتا ہے' جان و مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور اپنی اور اہل خانہ کی ان ضروریات کو پوری کرنے کے علاوہ انسان کے لیے اس میں پناہ گاہ اور سکون کا مقام ہے۔

اسلام ایک عالمگیر دین ہے' اس کی تعلیمات اور احکام کسی علاقے' رنگ اور نسل کے ساتھ خاص نہیں ہیں اور اس میں زندگی کے ہر گوشے کے لیے راہنمائی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

کہ اسلام نے تعمیرات کے بارے میں بھی ہدایات دی ہیں لیکن کوئی خاص ہیئت اور نقشہ نہیں پیش کیا تا کہ ہر علاقے کے لوگ اپنے اپنے حالات اور ضرورتوں کے مطابق اسلام کی ہدایات کی روشنی میں عمارات تعمیر کر سکیں۔ عمارات میں اسلام نے مسجد کو بنیادی حیثیت دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ آ کر اپنے گھر سے پہلے اللہ کے گھر یعنی مسجد کی تعمیر فرمائی۔ مسجد کی تعمیر کے لیے بھی اسلام نے کوئی خاص شکل نہیں بتائی ہے۔ کسی بھی مقام پر امام کو آگے کر کے قبلہ رُخ ہو کر نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ اس میں اسلام کی سادگی اور عالمگیریت کا راز پنہاں ہے۔ اسلام اسراف کو سخت ناپسند کرتا ہے اور تبذیر کرنے والوں کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾

''یقیناً تبذیر کرنے والے (یعنی محض اپنی دولت کے اظہار کے لیے بے جا خرچ کرنے والے) شیطان کے بھائی ہیں''۔

بلا وجہ اور بلا ضرورت فلک بوس عمارات کی تعمیر آخرت سے بے خوفی اور دنیا میں کھو جانے کی علامت ہے۔ مسجد عبادت کی جگہ ہے۔ اس میں تھوڑے سے اضافے سے صفہ کی طرز پر درس گاہ بنائی جا سکتی ہے۔ مزید کچھ اضافے سے حکومتی اور انتظامی ضروریات پوری کی جا سکتی ہیں' تا کہ مسجد کے قرب سے خوفِ خدا بھی رہے اور عمارات کی تعمیر میں سرمائے اور صلاحیتوں کے ضیاع سے بھی بچا جا سکے۔ فنِ تعمیر اور عمارات کی ہدایات کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ زندگی کو دیکھنا اور اپنانا ہو گا۔ تمدنی ارتقاء کے باوجود وہ ہدایات آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ان سے انحراف دین سے دوری ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مسلمان حکمرانوں نے فنِ تعمیر میں ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ ان کی تعمیرات کا شمار عجائباتِ عالم میں ہونے لگا۔ ابتدا میں مساجد کی تعمیر' پھر محلات' مختلف ناموں سے منسوب یادگاریں' مقبرے' مزارات اور علامتی تعمیرات میں اُمت کی متاع کو کھپایا گیا اور اس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اسے مسلم حکمرانوں کی کارفرمائی تو کہا جا سکتا ہے' اسلامی تہذیب و تمدن سے اس کا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ضرورت کی عمارت اور پلازوں کو مضبوط بنانا انسانی جان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے' لیکن پتھر اور سرامکس کی ٹائلوں اور تزئین و آرائش پر پانی کی طرح روپیہ بہانا سراسر اسراف ہے۔ اچھے ادارے بنانے کے لیے لوگ بڑی بڑی عمارات تعمیر کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ ادارے عمارتوں سے نہیں' افراد سے بنتے' پھلتے اور

پھولتے ہیں۔ کسی قوم کی کامیابی کا راز بلند و بالا عمارتوں میں نہیں‘ تربیت یافتہ افراد میں پوشیدہ ہے۔ اللہ کا عذاب آئے یا دشمن حملہ کرے‘ عمارتیں اقوام کو تحفظ نہیں دیا کرتیں۔ قرآن میں موجود سابقہ اقوام کے قصے اور دورِ حاضر میں زمینی حقائق اس کے شاہد ہیں۔ تعمیر کو فن کہہ کر اور انسانی جمالیات کے اظہار کے لیے مٹی‘ پانی اور پتھر وغیرہ میں سرمایہ ضائع کر کے اُمت کو مسائل کی دلدل میں دھکیلا جا رہا ہے۔ زمین کی آسمان کو چھوتی ہوئی قیمت اور ناقابل برداشت تعمیراتی اخراجات عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہو چکے ہیں۔ پندرہ بیس ہزار روپے ماہانہ کمانے والا بھی رہائش کے لیے شہر میں مناسب گھر بنانے کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔

عمدہ فن تعمیر کے اظہار کے لیے جس سرعت سے تعمیرات کا سلسلہ جاری ہے اس کے نقصانات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ زرعی زمین رہائشی اور تجارتی مقاصد میں استعمال ہونے کی وجہ سے کم ہو رہی ہے جس کا زراعت پر برا اثر پڑے گا۔ ہاؤسنگ سکیموں کی کثرت سے زمین کی قیمت میں مصنوعی طور پر اضافہ ہو رہا ہے۔ تجارتی نقطۂ نظر سے پلاٹوں کی خرید و فروخت عروج پر ہے‘ جبکہ اتنے مکانات کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی تعمیر کیے جاتے ہیں‘ محض پیسہ کمانا مقصود ہے۔ تعمیراتی سامان کی تجارت میں اضافہ تو ہوا ہے‘ لیکن متوسط اور غریب طبقہ کی پہنچ سے باہر بھی ہو رہا ہے۔ قیمتی محلات کی تعمیر سے ارتکازِ زر کا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے جو ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تعمیراتی جائیداد سے محروم افراد میں احساسِ کمتری سمیت بے شمار مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر تعمیرات کے کنویں میں خزانے دھکیلنے کے بعد اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔

اب ہم فن تعمیر کی تاریخ‘ ارتقاء‘ دائرہ کار اور حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے دور میں عرب کا طرزِ تعمیر

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت عربوں کی کیفیت یہ تھی کہ گلہ بانی یا تجارت ان کا پیشہ تھا۔ سنگلاخ پہاڑوں اور وسیع و عریض ریگستانوں کے اس علاقے میں ان کے پاس کرنے کا کوئی تیسرا کام نہ تھا۔ البتہ مدینہ اور طائف جیسے بعض علاقوں میں تھوڑی بہت زراعت بھی پائی جاتی تھی۔ تجارت کے پیشے سے وابستہ افراد شہروں میں رہتے اور چرواہے پانی اور سبزے کی تلاش میں سرگرداں رہتے‘ جہاں کہیں سبزہ اور پانی نظر آتا وہیں ڈیرے جما لیتے اور ان وسائل کے ختم ہونے پر نئے ذخیرے کی تلاش میں پھر رخت سفر باندھ لیتے۔

تجارتی سفروں میں شام اور ایران کے متمدن اور تہذیب یافتہ علاقوں میں ان کا آنا جانا تو بکثرت ہوتا' لیکن پڑھنے لکھنے کی فکر سے عاری اس قوم میں ان جدید تمدنی علاقوں کے نقش قدم پر چلنے کا کبھی تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ ان حالات میں عربوں کے ہاں فن تعمیر کے حوالے سے کوئی خاص تصور نہیں پایا جاتا تھا۔ تعمیرات میں گھر ہی ان کا بنیادی ہدف ٹھہرتا اور اس میں بھی سادگی ہی نظر آتی ہے۔ اُس وقت گھر عموماً دو طرح کے ہوتے تھے اور اُن میں رہنے والوں کو ان کی مناسبت سے اہل مدر اور اہل وبر کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔(۱)

اهل المدر : اہل المدر یعنی شہروں اور بستیوں والوں کے گھر عموماً کچی اینٹوں سے بنے ہوئے ہوتے تھے۔

اهل الوبر : اہل الوبر یعنی خانہ بدوشوں کی طرح زندگی گزارنے والوں کے گھر کھجور کے تنوں' شاخوں اور گھاس پھونس کے بنے ہوئے ہوتے تھے۔

اہل الوبر کے گھروں کی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ اہل المدر کے گھر کچی اینٹوں سے بنے ہوتے' البتہ کہیں پتھر کا استعمال بھی ہو جاتا تھا۔ دروازے لکڑی کے ہوتے یا پھر دروازوں کی جگہ پر کمبل لٹکا لیے جاتے تھے۔ مدینے کی تہذیب میں اگر گھر باغ میں بنائے جاتے تو کمروں کے باہر کھلا صحن بھی موجود ہوتا جس کی بیرونی دیواروں کے طور پر باڑ لگا دی جاتی تھی۔ باہم ملے ہوئے چند کمروں پر مشتمل ان گھروں میں کہیں کہیں گراؤنڈ فلور کے اوپر دوسری منزل بھی تعمیر کر لی جاتی تھی' لیکن ایسا بہت کم تھا۔ مدینہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایلاء کیا تو آپؐ ایسے ہی گھر کی دوسری منزل میں منتقل ہو گئے تھے۔(۲)

گھروں کے علاوہ اجتماعی معاشرتی مقامات کے لیے مکہ میں دار الندوہ اور مدینہ میں سقیفہ بنو ساعدہ کی مثال دی جا سکتی ہے۔ یہ دونوں جگہیں ذاتی گھروں سے عمدہ تعمیر نہیں کی گئی تھیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان مقامات میں جگہ وسیع تھی اور زیادہ افراد کے سمانے کی گنجائش موجود تھی۔ بت پرستی اگرچہ عرب کے رگ و ریشے میں سمائی ہوئی تھی لیکن کہیں الگ معبد کا ذکر نہیں ملتا۔ گھر کے ہی کسی حصے میں بت ڈال دیا جاتا تھا اور زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا تھا کہ اس پر کپڑا ڈال کر اسے چھپا لیا جاتا تھا۔

ایسے میں بیت اللہ وہ واحد جگہ تھی جو تمام عرب کا مرکز اور مرجع تھی۔ اس مرکز کی تعمیر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نشیبی جگہ میں واقع ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی جمع ہو

جاتا جس سے بیت اللہ کی عمارت اس قدر خستہ حال ہو گئی کہ اسے منہدم کر کے نئی عمارت بنانا ناگزیر ہو گیا۔ اسی دوران ایک تجارتی بحری جہاز جدہ کے ساحل پر ریت میں پھنس گیا۔ جب اس کو واپس گہرے پانیوں میں دھکیلنا ممکن نہ رہا تو مکہ کے لوگوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی غرض سے اسے خرید لیا اور اس کے لکڑی کے تختے اکھاڑ کر مکہ لے آئے۔ اب بیت اللہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ چونکہ اس بات کا اعلان کیا گیا تھا کہ اس کی تعمیر میں صرف حلال اور جائز پیسہ ہی لگایا جا سکتا ہے' اس لیے وسائل کی کمی کی وجہ سے جب قواعد ابراہیمی پر بیت اللہ کو اٹھایا گیا تو اس کا حطیم والا حصہ چھوڑ دیا گیا' بقیہ حصے کی تعمیر اس طرح کی گئی کہ ایک ردہ (تہہ) پتھر کا اور ایک لکڑی کا رکھا جاتا۔ اسی دوران حجر اسود کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں نصب کرنے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اٹھارہ ہاتھ بلند بیت اللہ کی عمارت تعمیر ہوئی۔ چھ ستونوں پر اس کی چھت ڈالی گئی۔ دروازہ زمین سے قدرے بلند تھا۔ چھت کے پانی کے اخراج کے لیے ایک پرنالہ لگایا گیا جو ''میزاب رحمت'' کے نام سے معروف ہے۔ بیت اللہ کے احاطہ کے اردگرد تقریباً انسانی قد کے برابر بیرونی دیوار تعمیر کی گئی۔ اس احاطے میں مشرکین مکہ نے بت سجا رکھے تھے۔[۳]

فن تعمیر کا یہ واحد شاہکار تھا جو عرب میں پایا جاتا تھا۔ اس کی تعمیر پتھر اور لکڑی سے کرنے کا جو انداز اختیار کیا گیا یہ طریقۂ تعمیر اُس وقت حبشہ کے علاقے میں رائج تھا۔ عرب کے لوگوں کا ایران و شام کے علاقے میں آنا جانا بھی عام تھا' لیکن انہوں نے حبشہ کے فن تعمیر کو پسند کرتے ہوئے اسے اختیار کیا۔

ادھر مدینہ میں بھی تعمیرات کے سلسلے میں قریب قریب مکہ جیسا معاملہ ہی تھا۔ البتہ زراعت اور کچھ پانی کی موجودگی کی وجہ سے رہائشی مکان مکہ کی نسبت کچھ بہتر تھے۔ کہیں کہیں دوسری منزل کا بھی وجود ملتا ہے' جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ مدینہ میں میٹھے پانی کے کنوؤں کی قلت اور بہت سے ناکارہ کنوؤں سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کنویں کی تعمیر و مرمت کوئی آسان کام نہ تھا۔ اہل زراعت باغات کے اندر اپنے مکان بناتے۔ مکانات کی تعمیر میں بنیادی طور پر اس بات کا خیال رکھا جاتا کہ اس سے گھریلو خواتین کو مکمل باپردہ ماحول میسر آئے (بیع العرایا کے جواز کی وجہ یہی ہے)۔

مدینہ کے قریب ہی رہائش پذیر یہودی مضبوط قلعے تعمیر کر کے ان میں رہتے تھے۔ ان کے قلعے اتنے مضبوط ہوتے کہ معمولی لشکروں کے لیے انہیں سر کرنا ممکن نہ تھا۔ تعمیرات کے

سلسلے میں یہودیوں کا یہ انداز عرب کے عمومی انداز کے برعکس تھا۔ یہودی اللہ کے آخری نبی کے انتظار میں اپنی کتب کی رہنمائی میں دار الہجرت یعنی مدینہ میں آ کر بسے تھے تاکہ وہ آنے والے نبی کے ساتھ مل کر کافروں کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے کم ہی لوگوں کو اس کارِ خیر کی توفیق مل سکی۔ اس لیے قلعوں کی تعمیر کا یہ طریقہ وہ اپنے آبائی علاقوں سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ وگرنہ یہ طریقہ عربوں کے مزاج سے ذرا بھی میل نہیں رکھتا۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں دیگر دنیا کا فن تعمیر

ہر علاقے نے اپنے اپنے ماحول' ضرورت اور وسائل کو پیش نظر رکھ کر اپنی تعمیراتی ضرورتیں پوری کی ہیں۔ بنیادی ضرورت پوری ہونے کے بعد مال دار اور حکمران طبقے نے تفاخر اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے فن تعمیر میں بھی تکلف' تصنع اور اسراف کا مظاہرہ کیا ہے۔ ویسے تو ہر علاقے کے فن تعمیر کا جائزہ لینے کے لیے مستقل مضمون کی ضرورت ہے' تاہم اختصار سے کام لیتے ہوئے ہم چند باتوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

غیر مسلم علاقوں میں سفارت کاری کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آنے جانے سے معلوم ہوا کہ اس وقت شام اور ایران میں بادشاہوں نے بڑے بڑے محلات تعمیر کروا رکھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایران کی فتح کے لیے نعمان بن مقرنؓ کو ایران کے علاقے نہاوند کی طرف بھیجا۔ انہوں نے حکمران کے پاس بطور سفیر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو بھیجا۔ المسعودی بیان کرتا ہے:

> ''جب وہ دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک مرصع تخت پر بیٹھا ہے۔ اس کا تخت بادشاہوں جیسا مذہب و مطلا ہے اور اس پر بیش قیمت جواہرات لگے ہوئے ہیں' اور اس کے علاوہ اس کے سر پر مرصع تاج ہے۔ حکمران کے دائیں بائیں اس کے بیٹے زرنگار نشستوں پر بیٹھے ہیں اور وہ بھی زرق برق لباس میں ملبوس ہیں۔ اسی طرح اس کے اہل دربار بھی اپنے اپنے مرتبے کے مطابق دائیں بائیں اور سامنے اعلیٰ نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مغیرہ اور ان کے دونوں ساتھی دربار ہال کے دروازے سے داخل ہو کر بڑی بے باکی کے ساتھ شاہی تخت تک جا پہنچے''۔ (٤)

اس پورے واقعہ میں ایک بڑے محل کی تعمیر میں لکڑی' لوہے اور پتھروں کی تراش خراش کے فن کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولولو جسے ایک صحابی کی سفارش

پر مدینے میں رہنے کی اجازت دی گئی تھی' ایران کا مجوسی تھا اور لوہے ولکڑی پر نقش و نگار کے فن میں تاک تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی کی توسیع وتزئین فرمائی تو اس کی تعمیر میں پہلی مرتبہ منقش پتھروں کو استعمال کیا گیا جو ہند سے منگوائے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہند میں تعمیراتی مقاصد کے لیے منقش پتھروں کا رواج تھا۔ بڑے بڑے مندر اُن کے فن تعمیر کا شاہکار تھے۔

عمارت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی اور صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل

اسلام اس فانی دنیا کو دارالعمل قرار دیتا ہے۔ یہ دارالعمل میں رہنے کے لیے ایک انسان کو مسافر سے تشبیہ دیتا ہے' جس کا مطلب ہے کہ ایک مسافر اپنے سفر کے دوران جس قدر اہتمام کرتا ہے ایک مسلمان کو دنیا میں رہتے ہوئے بس اتنا ہی اہتمام کرنا چاہیے' اس سے زیادہ کی تگ ودو میں نہیں لگنا چاہیے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کوئی مسافر کسی پڑاؤ پر کبھی کوئی مضبوط اور مستقل عمارت کا تصور نہیں کر سکتا۔ وہ تو کسی مقام پر اتنا انتظام کرتا ہے جس سے وہ دو گھڑی آرام کر سکے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ)) وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ : اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ (٥)

''دنیا میں ایسے رہو جیسے تم اجنبی ہو یا مسافر ہو''۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: ''جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب تم صبح کرو تو شام کا انتظار نہ کرو۔ اپنی صحت کی حالت میں بیماری کا سامان کر لو (یعنی صحت کو غنیمت جانتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اعمال کر لو) اور اپنی زندگی میں اپنی موت کا سامان کر لو''۔

ایک مسلمان کو دنیا کے بارے میں یہی انداز اختیار کرنا چاہیے۔ دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتَرْغَبُوْا فِي الدُّنْيَا))(٦)

''تم باغات (زراعت اور تجارت) کو نہ تھام لو' اس طرح تم دنیا میں رغبت کرنے

لگو گے''۔

اس دنیا میں کسی انسان کو بقاء حاصل نہیں۔ اس اٹل حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد ہمارا طرزِ عمل بھی ایسا ہونا چاہیے جس سے اس اٹل حقیقت کی نفی نہ ہوتی ہو بلکہ ہمارا عمل اس حقیقت کی غمازی کرنے والا ہونا چاہیے۔ دنیا و مافیہا کی حقیقت کے بارے میں کیسا نایاب موتی یہ حدیث طیبہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِيْ مَالِيْ، اِنَّمَا لَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ :مَا اَكَلَ فَاَفْنٰى اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰى اَوْ اَعْطٰى فَاقْتَنٰى وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ))(۷)

''بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال! جبکہ اس کے لیے اس کے مال میں سے بس تین چیزیں ہیں: جو کھایا پھر ختم کر دیا' یا جو پہنا پھر بوسیدہ کر دیا یا جو (صدقہ) دیا اور اور اُسے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ جانے والا ہے اور وہ اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے''۔

اس حدیث طیبہ سے انسان کے مال کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد ذرا غور فرمایئے کہ انسان کے لاکھوں اور کروڑوں کے رہائشی مکانات اور قیمتی گاڑیوں کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے! اور پھر ان کے حصول اور ان میں مقابلے کے لیے انسان کیسے کیسے پاپڑ بیلتا ہے اور حق و ناحق اور حلال و حرام کی تمیز اس کی آنکھوں سے اٹھ جاتی ہے۔

اب ہم تعمیرات کے حوالے سے چند احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں:

حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اَتَيْنَا خَبَّابًا نَعُوْدُهُ وَقَدِ اكْتَوٰى سَبْعَ كَيَّاتٍ فَقَالَ : لَقَدْ تَطَاوَلَ مَرَضِيْ وَلَوْلَا اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:((لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ)) لَتَمَنَّيْتُ، وَقَالَ :((يُؤْجَرُ الرَّجُلُ فِيْ نَفَقَتِهٖ كُلِّهَا اِلَّا التُّرَابَ ——— اَوْ قَالَ :فِي الْبِنَاءِ)) (۸)

''ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے آئے۔ آپ سات مرتبہ پچھنے لگوا چکے تھے۔ آپؓ نے فرمایا: میری بیماری لمبی ہو گئی ہے' اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ: ''موت کی تمنا نہ کرو'' تو میں موت کی تمنا لازماً کرتا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کے ہر خرچ کا اسے اجر دیا جاتا ہے سوائے مٹی کے ——— یا

آپ ؐ نے فرمایا: ''سوائے عمارت کے''۔
گویا انسان کا نیک مقاصد کے علاوہ نان نفقہ کے لیے خرچ کیا ہوا پیسہ بھی اس کے نامۂ اعمال میں جمع ہو جاتا ہے' جس کا اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائیں گے۔ لیکن مٹی میں یا عمارات میں خرچ کیے ہوئے پیسے کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے' وہ ضائع' بے کار اور اجر سے محروم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلنَّفَقَةُ كُلُّهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلاَّ الْبِنَاءَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ))(۹)

''ہر طرح کا خرچ کرنا اللہ کے راستے میں ہے' سوائے عمارت کے' اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔''

اسی معنی کی ایک اور خبر بھی ہے جو سند کے اعتبار سے کمزور ہے۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں:

اَلْبِنَاءُ كُلُّهٗ وَبَالٌ قُلْتُ اَرَاَيْتَ مَالَا بُدَّ مِنْهُ؟ قَالَ لَا اَجْرَ وَلَا وِزْرَ(۱۰)

''عمارت سراپا وبال ہے۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے کہا آپ کا کیا خیال ہے جس کے بغیر چارہ نہ ہو؟ فرمایا: نہ تو اجر ہے اور نہ ہی کوئی بوجھ ہے''۔

صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں:

''عمارات کی تعمیر کا کوئی اجر و ثواب نہیں ہے ـــــ البتہ ایسی عمارات جن کے بنانے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو وہ اجر سے خالی نہیں' مثلاً مسجد' مدرسہ اور رباط کی تعمیر''۔

شارح ترمذی کی بات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اسلام کی شان و شوکت کے لیے مساجد اور ویلفیئر کے کاموں کے لیے مطلوبہ عمارات کی تعمیر اجر و ثواب کا باعث ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مَرَرْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ طَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَرَاٰى قُبَّةً مِنْ لَبِنٍ فَقَالَ: ((لِمَنْ هٰذِهٖ؟)) فَقُلْتُ: لِفُلَانٍ' فَقَالَ: ((اَمَا اِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ هَدٌّ عَلٰى صَاحِبِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلاَّ مَا كَانَ فِيْ مَسْجِدٍ ـــ اَوْ قَالَ: فِيْ بِنَاءِ مَسْجِدٍ)) شَكَّ اَسْوَدُ ـــــ ثُمَّ مَرَّ فَلَمْ يَلْقَهَا فَقَالَ: ((مَا فَعَلَتِ الْقُبَّةُ؟)) قُلْتُ بَلَغَ صَاحِبَهَا مَا قُلْتَ فَهَدَمَهَا' قَالَ فَقَالَ: ((رَحِمَهُ اللّٰهُ)) (۱۱)

''میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینے کے راستوں میں سے ایک راستے سے گزرا۔

آپؐ نے اینٹوں کا بنا ہوا قبہ دیکھا تو فرمایا: ''یہ کس کا ہے؟'' میں نے کہا فلاں کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ہر عمارت اپنے مالک کے لیے وبال ہوگی' سوائے مسجد کے —— یا فرمایا: مسجد بنانے کے''۔ اسود (راوی) کو شک ہے (کہ آپؐ نے مسجد کہا یا تعمیرِ مسجد کہا)۔ پھر آپؐ دوبارہ گزرے تو آپؐ نے وہ (قبہ) نہ پایا تو فرمایا: ''قبے کا کیا بنا؟'' میں نے کہا: اس کے مالک کو آپؐ کی بات پہنچی تو اس نے اسے گرا دیا۔ صحابی بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم کرے!''

صحابیؓ کا اپنی عمارت میں قبہ (گنبد) تعمیر کرنا اس کی زیب و زینت کے لیے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا اور ساتھ ہی وضاحت فرما دی کہ اس قسم کی عمارات جن کا عملی طور پر کوئی فائدہ نہیں' جو محض خوبصورتی کے لیے یا فخر و تکبر اور نمود و نمائش کے لیے ہیں' تو نہ صرف یہ کہ مسلمان کو ان کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ الٹا اس کے لیے وبال بن جائیں گی۔ آپؐ نے مسجد یا مسجد کی تعمیر کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے' کیونکہ وہ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ اس کی فضیلت اِن شاء اللہ عنقریب بیان کی جائے گی۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی بلا مقصد عمارت کی تعمیر ناپسند کرتے تھے' بلکہ آپؓ تو اس پر سزا بھی دیا کرتے تھے۔ عمر فاروقؓ عامل مقرر کرتے وقت ان کے حقوق و فرائض لکھ کر ساتھ دیتے اور عدم تعمیل کی صورت میں پوچھ گچھ کرتے۔ کبھی کبھی عمال کی شکایت پر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرتے تھے۔ عمال کو ترفع' شان و شوکت' عجب و غرور پیدا کرنے والی چیزوں سے روکتے تھے۔ جس عامل کے بارے میں سنتے کہ عوام اس کے یہاں بار نہیں پاتے اسے فوراً موقوف کر دیتے تھے۔ عامل مصر حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمبل کا کُرتہ پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں۔ (۱۲)

عامل کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مکان بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوا دی۔ (۱۳)

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو مکانات تعمیر کروائے وہ موجودہ دور کے محلات کی طرح ہرگز نہ تھے۔ ان کی کیفیت کا اس بات سے آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غیر ضروری ڈیوڑھی کو آگ لگا دی گئی اور ان عمارات کی تعمیر پر عمال کو معزول کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے مزاجِ نبی ﷺ اور اسلامی تعلیمات تھیں جن کے پیش نظر وہ سمجھتے تھے کہ بلا مقصد عمارت کی تعمیر کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تعمیر مسجد کی فضیلت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِی الدُّوْرِ وَاَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَیَّبَ (۱۴)

''رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مساجد بنانے' انہیں پاک صاف رکھنے اور خوشبودار رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔''

سابقہ دلائل میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق تعمیرات میں سے صرف مساجد کی تعمیر میں ہی اجر وثواب ہے۔ اب ہم اس حدیث میں دیکھ رہے ہیں کہ آپؐ مساجد کی تعمیر کا حکم دے رہے ہیں اور یہ کہ مساجد مسلمانوں کے تمام محلوں میں ہونی چاہئیں۔ مسلمانوں کا کوئی علاقہ مساجد سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو حکم دیتے کہ کسی بستی پر حملہ کرنے سے پہلے دیکھنا وہاں سے اذان کی آواز تو نہیں آ رہی۔ اگر اذان کی آواز آ جائے تو اس پر حملہ نہ کرنا۔ گویا مسجد اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ مسلمانوں کے تمام علاقوں میں ان کا قیام اور احترام فرض ہے۔ یہ مسلمانوں کی علامت' پہچان اور یہی مسلم معاشرے کا کلچر ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں آتے ہی آپؐ نے سب سے پہلے مسجد نبویؐ کی تعمیر فرمائی۔ آپؐ نے نہ صرف اس کام کی مکمل نگرانی فرمائی بلکہ خود بنفس نفیس اس کی تعمیر میں عملی شرکت بھی فرمائی۔ اس طرح آپؐ نے سابقہ انبیاء حضرت آدمؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے مبارک مشن کی تکمیل فرمائی اور اب یہ سعادت اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہے۔ حضرت عبید اللہ خولانی سے مروی ہے کہ:

اَنَّہٗ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ یَقُوْلُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِیْہِ حِیْنَ بَنٰی مَسْجِدَ الرَّسُوْلِ ﷺ: اِنَّکُمْ اَکْثَرْتُمْ وَاِنِّیْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: ((مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا ـــ قَالَ بُکَیْرٌ حَسِبْتُ اَنَّہٗ قَالَ ـــ یَبْتَغِیْ بِہٖ وَجْہَ اللّٰہِ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ مِثْلَہٗ فِی الْجَنَّۃِ)) (۱۵)

''مسجد نبویؐ کی تعمیر نو کے وقت جب لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے تو آپؓ نے فرمایا: ''تم (مسجد نبوی کی تعمیر نو سے روکتے ہوئے) زیادہ تاکید کرتے ہو جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے مسجد بنائی

جس کے ساتھ وہ اللہ کی رضامندی چاہتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی مثل جنت میں بنائے گا''۔

مسجد کی تعمیر اور اس کی دیکھ بھال ایسے کام جب اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرتے ہوئے کیے جائیں گے تو اللہ ان کے کرنے والے کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔''مثلہ'' سے یہ ترغیب ملتی ہے کہ مسجد اچھی سے اچھی بنانی چاہیے تاکہ جب اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے تو وہ بھی اچھا ہو۔ لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ اس سلسلے میں شریعت کے دوسرے احکام کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر مسجد کی تعمیر میں شرعی احکام کی خلاف ورزی کی گئی تو اس پر اجر ملنے کی بجائے محنت کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ رہی بات جنت کے عمدہ گھر کے حصول کی' تو جنت میں ایک بالشت جگہ کا ملنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت کے تمام گھر ہی انتہائی خوبصورت اور بہترین ہیں۔ درجات کی بلندی اور عمل کی خوبصورتی کا انحصار کمیت کی بجائے کیفیت پر ہے۔ اس لیے تقویٰ اور اتباعِ سنت کو لازم پکڑنا چاہیے۔ مسجد تعمیر کرنے کی فضیلت کی احادیث صحیح بخاری کے علاوہ مسلم' ابوداؤد' ابن ماجہ اور مسند احمد میں بکثرت موجود ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی تعمیر رضائے الٰہی کے لیے کی جائے تو اس کا اجر جنت کے حصول کی صورت میں ملے گا۔ پھر جنت کے حصول کے لیے صرف مسجد کی تعمیر ہی کافی نہیں ہے' اس کے لیے ایمانیات کی دیگر شروط کا پورا ہونا بھی ضروری ہے۔ مسجد کی تعمیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو کمیت کی بجائے کیفیت زیادہ مطلوب ہے۔ حلال کمائی کی تھوڑی سی رقم حرام کمائی کے خزانوں سے بہتر ہے۔ مسجد کی تعمیر اور اس کی آبادکاری کے لیے نجس کمائی ہی نہیں نجس عقیدے اور نظریات سے بچنا بھی ضروری ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾﴾ (التوبۃ)

''مشرکین کے لیے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اپنی جانوں پر کفر کی گواہی دیتے ہوئے اللہ کی مساجد کو تعمیر کریں۔ ان کے اعمال ضائع ہو گئے' اور وہ ہمیشہ کے لیے آگ میں رہنے والے ہیں۔ اللہ کی مسجدیں تو وہ بناتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور نماز

قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا' تو عنقریب یہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے''۔

امام قرطبیؒ بیان فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے قبل جب حضرت عباس گرفتار ہوئے تو مسلمانوں نے ان پر کفر اور قطع رحمی کا عیب لگایا۔ انہوں نے کہا تم ہماری برائیاں یاد رکھتے ہو اور خوبیاں بھلا دیتے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تمہاری خوبیاں بھی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں' ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں' بیت اللہ کے متولی ہیں' حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ ان کے اس جواب کے ردّ میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں کہ مساجد کے احکام کی ذمہ داری اور مشرکین کو اس میں داخلے سے روکنا مسلمانوں پر واجب ہے۔(۱۶)

حافظ عماد الدین ابن کثیر ان آیات کی تفسیر میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْھَدُوْا لَهٗ بِالْاِیْمَانِ' قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ)) (۱۷)

''جب تم کسی آدمی کو مسجد میں آتا جاتا دیکھو تو اس کے لیے ایمان کی گواہی دے دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ کے گھروں کو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہی آباد رکھتے ہیں''۔

ان آیات اور ان کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مسجد کی تعمیر صرف گارے' پانی سے نہیں ہے' بلکہ مسجد کی تعمیر میں مسجد کو اللہ کے ذکر' نماز' تلاوت اور اعمالِ صالحہ سے آباد رکھنا بھی شامل ہے۔ اس ضمن میں حافظ ابن کثیر ایک اور روایت لائے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّمَا عُمَّارُ الْمَسَاجِدِ ھُمْ اَھْلُ اللّٰهِ)) (۱۸)

''مسجدوں کو آباد رکھنے والے ہی اہل اللہ ہیں''۔

مساجد کو تعمیر کرنا' انہیں آباد رکھنا' ان کی ضروریات کا خیال رکھنا' ان میں خود بھی عبادت کرنا اور عبادت کا ماحول قائم کرنا یہ تمام باتیں عمار المساجد میں شامل ہیں۔ ان اعمال کی ترغیب اور ان اعمال کو بجالانے کے بعد ان پر اجر و ثواب کا حصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

(جاری ہے)